”کتاب ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے“

کراچی میں ”قرآن اکیڈمی“ کا قیام اور شامِ الہدیٰ کا انعقاد

مرتّب : رحیم کاشفی

دعوت رجوع الی القرآن کی پیش رفت پر مبنی ایک رپور تاژ

ملک کے سب سے بڑے صنعتی اور ساحلی شہر کراچی میں ۲۶ر جنوری کے سی اوپی کے فقید المثال جلسے اور ۲۹ ر جنوری سے شروع ہونے والے تبلیغی جماعت کے سہ روزہ عظیم الشان اجتماع سے قبل اسی عروس البلاد میں دو ایسی تقریبات ہوئیں جو عددی لحاظ سے تو ان دونوں کے پاسنگ کہلانے کی بھی حقدار نہیں لیکن فکری لحاظ سے ”خدایان سیاست اور پیران کلیسا“ دونوں کے لئے قطب نما کا درجہ رکھتی ہیں۔ آئندہ سطور میں انہی تقریبات کی مختصر سی روداد پیش کی جارہی ہے۔

۲۳ ر جنوری کو ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے بال روم میں منعقد ہونے والی پہلی تقریب ہر لحاظ سے منفرد حیثیت کی حامل تھی۔ جس میں شہر کے چیدہ چیدہ اہل فکر و شعور خواتین و حضرات مدعو تھے۔ خواتین کے لئے علیحدہ نشستوں کا باپردہ انتظام تھا۔ اس تقریب باسعید کا اہتمام انجمن خدام القرآن سندھ کراچی کی جانب سے کیا گیا تھا۔ انجمن کے قیام کا مقصد منبع ایمان و سرچشمہ یقین یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے تاکہ امّت مسلمہ میں تجدید ایمان کی عمومی تحریک کے ذریعے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کے دور ثانی کی راہ ہموار ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر انجمن کے پروگرام میں عربی زبان کی تعلیم و ترویج، قرآن مجید کے مطالعہ کی عام تشویق و ترغیب، علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت تعلیم و تعلّم قرآن کو مقصد زندگی بنا لینے والے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اور ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام شامل ہے جو قرآن کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر پیش کر سکے۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی تھے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد جو کہ انجمن کے نگران اعلیٰ بھی ہیں۔ انجمن خدّام القرآن سندھ نے ساحل سمندر پر واقع درخشاں سوسائٹی کلفٹن میں ڈیفنس ہاوسنگ اتھارٹی کی جانب سے عطا کردہ تین ہزار مربع گز کے ایک بڑے پلاٹ پر جامع القرآن (مسجد) اور قرآن اکیڈمی کی تعمیر کا آغاز کر دیا ہے

پچھتر لاکھ روپے کے تخمینہ کا یہ منصوبہ اپنے ابتدائی مراحل سے گزر چکا ہے اور بنیادوں تک کا کام پورا کر لیا گیا ہے۔ بقایا تعمیر شرمندۂ تعبیر ہے۔ لہٰذا دینی و ملی جذبہ وشعور رکھنے والے متموّل اور صاحبِ خیر افراد کی توجّہ اس جانب مبذول کرانے کے لئے انہیں تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی تاکہ کام کی اہمیت و افادیت ان پر واضح ہو اور وہ انشراحِ صدر کے ساتھ اس کارِ تاریخ ساز میں تعاون کریں۔ مادرِ علمی کی بنیاد دراصل تعمیرِ معاشرہ اور جہانِ نو کی ابتداء ہے۔

ملّت اسلامیہ پاکستان اس وقت جن مخدوش حالات سے دوچار ہے ان کی سنگینی کا احساس ہر باشعور پاکستانی مسلمان کو ہے لہٰذا ہر شخص سوچ رہا ہے کہ اس کیفیت سے نجات کی کوئی راہ ہے یا نہیں اور ہے تو کونسی ؟ اس موضوع پر خطاب کے لئے دعوت دی گئی تھی مفکر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو۔ مختصر اور منتخب اصحاب فکر و نظر کے اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا۔ اور انجمن کے وجیہہ و شکیل جوان سال صدر زین العابدین جوّاد کے تشکّر آمیز خیر مقدمی و تعارفی کلمات کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے خطاب فرمایا۔ تقدیر و تدبیر کی چاشنی سے مرکب اس خطاب کا خلاصہ ذیل کی سطور میں پیش کیا جارہا ہے :

خطبۂ مسنونہ کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس وقت ہم قومی و ملّی سطح پر جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کا تجزیہ ٹائمز آف لندن کے ایک اداریہ کے حوالے سے کفایت کرے گا جو اس نے ہمارے اکتالیسویں یوم استقلال پر شائع کیا تھا۔ مدیر ٹائمز کے مطابق تقسیم ہند کے موقع پر اس کے پیشرو مدیر نے تجزیہ کرتے ہوئے پاکستان کے مستقبل کو انتہائی تابناک اور بھارت کے مستقبل کو تاریک قرار دیا تھا کہ بھارت مختلف النوع نسلوں، قومیّتوں اور مذاہب کا وطن ہے جس میں وحدت کا کوئی عنصر نظر نہیں آتا جب کہ اہلِ پاکستان کو متحد کرنے والی ایک قوت مذہب کی طاقت کی شکل میں موجود ہے۔ لیکن مدیر ٹائمز کے مطابق آج معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ پاکستان نہ صرف دولخت ہو چکا ہے بلکہ اس کا مستقبل بھی مخدوش نظر آتا ہے ! ؎ سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا !

ہمارا قومی وجود ایک نکتہ لاینحل (Dilemma) ہے یہ ایک ایسا ملک ہے جس کی مذہب کے علاوہ کوئی بنیاد نہیں ہے۔ لیکن مذہب سے جو تعلق ابتدا میں تھا اس میں بھی بتدریج کمی آتی چلی جا رہی ہے۔ جب کہ صرف نظریاتی قوت ہی اسے متحد رکھ سکتی ہے۔ عام طور پر عالمی سطح پر بھی یہی کہا جاتا ہے کہ پاکستان مذہب کی بنیاد پر قائم ہوا تھا بلکہ ساتھ ہی بالکل غلط طور پر اسرائیل کا نام بھی لیا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد بھی مذہب پر قائم ہے۔ لیکن اسرائیل کا معاملہ جدا ہے جو کہ ایک نسل پرستانہ ریاست ہے۔ البتہ مختلف حلقوں کی طرف سے یہ رائے بھی سامنے آئی کہ پاکستان ہرگز مذہب کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا بلکہ اس کے وجود میں آنے کے اصل اسباب خالص سیاسی تھے یا خالص

معاشی۔ نہ صرف حسین شہید سہروردی بلکہ نورالامین صاحب نے بھی اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ پاکستان خالص معاشی اسباب کی بنا پر قائم ہوا تھا۔ اسی طرح میاں ممتاز دولتانہ نے تحریکِ پاکستان کو خالص سیاسی قرار دیا تھا اور بعد ازیں سردار شوکت حیات خاں نے فرمایا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ ہرگز کوئی سنجیدہ اور سوچی سمجھی بات نہیں تھی بلکہ یہ تو چند چھوکروں نے ایجاد کیا تھا۔ یہ سارے مغالطہ آمیز خیالات دراصل شاخسانہ ہیں اسلام کو بطور سیاسی نعرہ کے استعمال کرنے کا جسے اولاً حزب اختلاف نے اختیار کیا اور بعد ازیں گیارہ سال تک ایوان حکومت سے یہی نعرہ لگتا رہا۔ لیکن اس پیچیدہ مسئلے کے حل کی کہ پاکستانی کے قیام کی بنیاد کیا تھی، آسان صورت زمین پر پانی کی تین سطحوں کی تمثیل سے سامنے آتی ہے جیسا کہ پانی کی ایک سطح زمین پر دریاؤں اور ندی نالوں کی صورت میں نظر آتی ہے اور دوسری ۴۰ تا ۸۰ فیٹ کی وہ سطح ہے جہاں سے کنویں اور ہینڈ پمپوں وغیرہ سے پانی نکالا جاتا ہے۔ جب کہ تیسری سطح کئی سو فٹ کی گہرائی پر ہے جہاں سے ٹیوب ویل کے ذریعے پینے کا صاف و شفاف پانی حاصل ہوتا ہے۔ بعینہ پاکستان کے تکوین و ایجاد (Genesis) کے بھی تین سطحیں ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانان ہند کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرنے والا نعرہ بہر صورت "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" ہی تھا خواہ اس کے الفاظ بزرگوں نے متعین کئے تھے یا نوجوانوں نے۔ پھر قائد اعظم نے برملا اور واضح و غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کی قومیت کی اساس مذہب کو اور پاکستان کی منزل اسلام کو قرار دیا تھا۔ دوسری سطح پر اگر تحریک پاکستان کے اصل جذبہ محرکہ کو تلاش کریں تو یہاں اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔ لیکن میری دیانت دارانہ رائے ہے کہ تحریک پاکستان کا اصل جذبۂ محرکہ مذہبی نہیں تھا۔ اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ تحریک کی اصل قیادت معروف معنوں میں ہرگز مذہبی لوگوں پر مشتمل نہ تھی کیونکہ کسی تحریک کے جذبہ محرکہ کا سب سے زیادہ نمایاں صورت میں اس کی قیادت میں نظر آنا لازم ہے۔ میرے نزدیک تحریک پاکستان کا اصل جذبہ محرکہ نہ مذہبی تھا نہ محدود معنی میں معاشی و سیاسی بلکہ وہ ایک قومی جذبہ تھا جو ہندوؤں کی طرف سے سیاسی و معاشی اور سماجی و معاشرتی سطح پر حق تلفی کے اندیشہ سے وجود میں آیا تھا۔ اب تیسری سطح پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قوم کی قومیت کی بنیاد کیا تھی جسے یہ اندیشہ لاحق تھا، تو محالہ اس کا جواب یہی ملے گا کہ برعظیم کے مسلمان ہرگز نسل، زبان اور طرز رہن سہن کی بنیاد پر ایک قوم نہیں تھے، ان کو ایک قوم بنانے والی کوئی قدر مشترک تھی تو صرف ایک یعنی مذہب! یعنی پاکستان کی اصل اساس سوائے دین و مذہب کے کوئی اور نہیں ہے۔ اور آج بھی ملت اسلامیہ پاکستان کو ایک قوم بنانے ولا کوئی عامل ماسوائے مذہب کے کوئی نہیں، نہ اسے تاریخی تقدس (Sanctity) حاصل ہے جیسے چین، جاپان، مصر اور دیگر ممالک وغیرہ جو ہزاروں سال سے موجود ہیں۔ پاکستان کا تو لفظ بھی نصف صدی قبل تک کسی لغت

میں موجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی پاکستان بلا تردد بنگلہ دیش بن گیا ورنہ اس وقت دنیا میں دو جرمنی، دو کوریا دو یمن بھی موجود ہیں اور کوئی ملک بھی اپنا نام ترک کرنے کو گوارا نہیں کرتا۔ اسی طرح نہ جغرافیائی عامل ہماری پشت پر ہے جو تقویت دے سکتا اور نہ ہی قومیت کو وجود میں لانے کے لئے نسل و زبان ہی ہمارے لئے بنیاد بن سکتا ہے۔ اسی طرح وطنی قومیت بھی موثر قوم پرستی (Nationalism) کی صورت اختیار نہیں کر سکتی کیونکہ پاکستان تو خود وطنی قومیت کی نفی کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا تھا۔ ہمارے لئے بس مذہبی جذبہ ہی ہے جس نے پاکستان کو جنم دیا تھا اور جو اس کے استحکام کے لئے پختہ اساس اور سنگین بنیاد کا کام دے سکتا ہے۔ لیکن وہ مذہبی جذبہ جو اب پاکستان کے استحکام کی حقیقی اور مضبوط پائیدار بنیاد بن سکتا ہے اپنی نوعیت کےاعتبار سے قطعاً مختلف ہے اس مذہبی جذبہ سے جس نے پاکستان کو جنم دیا تھا۔ اب نسلی و وراثتی نہیں بلکہ حقیقی و عملی اسلام کی ضرورت ہے۔ ورنہ آج ہماری ۹۵ فیصد اکثریت کا اسلام سے تعلق کا اندازہ اس حدیث نبوی کی روشنی میں لگایا جا سکتا ہے جس میں نماز کو کفر و ایمان کے درمیان حدِّ فاصل قرار دیا گیا ہے۔ اور کچھ لوگ جو مذہبی دائرے میں نظر بھی آتے ہیں تو ان کا تعلق بھی نہ صرف محدود ہے بلکہ مسخ شدہ بھی، انہیں حرام و حلال سے کوئی غرض نہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو دین کا مطالعہ کرتے ہیں اور فہم بھی رکھتے ہیں لیکن خود کچھ کرنے کو تیار نہیں اور دین کے تقاضوں سے کنی کتراتے ہیں۔ اور جو طبقہ دین پر عمل پیرا ہے بھی تو وہاں اختلافات کا طومار ہے۔ عوام کا اسلام کے عملی اقتدار کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں اور کم و بیش یہی حال خواص کا بھی ہے۔ علماء بھی پیشہ ور ہیں وہ بھی تنخواہ اور گریڈ کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، ان کی جماعتیں بھی ٹریڈ یونین ازم کی مصداق ہیں۔ ان سب کے باوجود کچھ آسمانی و غیبی اشارات ہیں کہ جن سے ڈھارس بندھتی ہے اور امید کی کرن نظر آتی ہے۔ فرمان رسولؐ ہے کہ. اسلام پورے کرہ ارضی پر غالب ہو کر رہے گا خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر یا کسی بدبخت کو ذلیل و رسوا کر کے۔ اور فرمایا کہ میرے لئے کل زمین کو لپیٹ دیا گیا چنانچہ میں نے اس کے مغارب و مشارق کو دیکھ لیا اور یقیناً میری امت کی حکومت اس زمین پر قائم ہو کر رہے گی جو میرے لئے لپیٹی گئی۔

تجدید و احیائے دین کی تحریکوں اور مساعی کا محور و مرکز بھی گذشتہ چار سو سال سے یہی خطہ رہا ہے۔ الف ثانیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور بعد ازیں شاہ ولی اللہؒ، تحریک شہیدینؒ، اسی طرح ماضی قریب میں شیخ الہندؒ کی تحریک، تحریک جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کی تحریک اس کی اعلیٰ مثالیں ہیں اسی طرح دعوت رجوع الی القرآن کا غلغلہ بھی یہیں بلند ہوتا رہا۔ آزادی کی تحریکوں میں یہ واحد خطہ ہے جہاں اسلام کا نعرہ بلند کیا گیا جب کہ کسی اور ملک میں اسلام کے نام پر آزادی کی تحریک نہیں چلائی گئی اور اس ملک کا قیام بھی دراصل مشیّتِ ایزدی و تائید و نصرت الٰہی کا مظہر

ہے جو تاریخ کے آئینہ میں کیبنٹ مشن پلان، ایوب خانی دور میں مشترکہ دفاع کی پیش کش اور ۱۹۷۱ء میں اپنی دفاعی صلاحیت کے حوالے سے دیکھی جا سکتی ہے۔

لہٰذا حالات اس کے متقاضی ہیں کہ عوامی سطح پر توبہ کی ایک تحریک برپا ہو اور دین ہمارے کردار و اقدار، اخلاق و اعمال میں نظر آنے لگے، ایمان ہمارا قال ہی نہیں حال بن جائے لیکن وہ ایمان حاصل ہو گا منبع ایمان و سرچشمہ یقین قرآن حکیم سے۔ جسے مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے بڑے پیارے پیرائے میں ایک شعر میں بیان کیا ہے۔ ؎

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی قاری کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ وہ اہم باتوں کو مختلف اسلوب سے بیان کرتا ہے تاکہ ہر سطح کا ذہن مستفیض ہو سکے لیکن کوئی عوامی تحریک نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی جب تک اس کی پشت پر ذہین اقلیت موجود نہ ہو۔ جب تک یہ ذہین طبقہ نہیں بدلتا معاشرہ نہیں بدلے گا اس کے فکر و شعور میں ایمان پیدا نہیں ہو گا تو معاشرہ کوئی تبدیلی قبول نہیں کرے گا۔ آج ضرورت ہے کہ قرآن کو ذہنوں میں اتارا جائے۔ اس کی بنیاد پر جماعت سازی ہو اور اسی کی اساس پر تحریک برپا کی جائے۔ اسلامی جمہوریت بھی بغیر انقلاب کے نہیں آئے گی۔ وقتی ہنگامے کے نتیجہ میں تو آمریت ہی قائم ہو گی لیکن آج ہماری اکثر دینی جماعتیں سیاسی عناصر کے ہاتھوں استعمال ہو رہی ہیں۔ پاکستان کے بقا و استحکام کا کوئی امکان نہیں سوائے اسلام کے لیکن حقیقی و واقعی اسلام جو دلوں میں گہری جڑیں رکھتا ہو۔ اسی مقصد کے لئے قرآن اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے۔ جو دعوت رجوع الی القرآن کی راہ کا سنگ میل ہے۔

شامِ الھدیٰ۔ ۲۴ر جنوری کو مقامی آڈیٹوریم میں ....

انجمن خدام القرآن سندھ کی جانب سے منعقد ہونے والی دوسری روح پرور تقریب "شامِ الھدیٰ" کا موضوعِ خطاب تھا: "علمائے کرام ار دینی جماعتوں کا اہم ترین فریضہ، نہی عن المنکر" ۔ کراچی میں اس روحانی اجتماع کا انعقاد اکتوبر ۱۹۸۴ء سے تسلسل اور وقفوں سے ہوتا چلا آرہا ہے جس کے مستقل اور واحد مقرر انجمن کے نگران اعلیٰ اور امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ہیں اور جس میں ہر طبقۂ زندگی کے افراد کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔

دعوت رجوعِ الی القرآن کے سلسلے میں "عوامی درس قرآن" کی جس خواہش کا اظہار حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے اسارت مالٹا سے واپسی پر کیا تھا یہ تقریبات دراصل اسی کی کڑی ہیں۔ آڈیٹوریم اور پبلک ہال کا انتخاب بھی اسی مقصد کے پیش نظر کیا جاتا ہے تاکہ مختلف طبقات تک قرآن کا پیغام پہنچ جائے۔ ہال کے دروازے پر استقبال کرنے والے رضا کاروں نے نہی عن

المنکر سے متعلق آیات و احادیث پر مشتمل ایک دو ورقہ بھی تقسیم کیا تاکہ دوران خطاب ریفرنس پر نظر رہے۔

تقریب کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا اور انجمن کے نئے صدر نے نپے تلے الفاظ میں ٹھہر ٹھہر کر انجمن کا تعارف پیش کیا۔ بعد ازیں ڈاکٹر صاحب موصوف نے خطاب کا آغاز خطبۂ مسنونہ اور تلاوت قرآن و حدیث سے کیا۔ خطاب کا خلاصہ درج ذیل ہے :۔

جس طرح ہر ادارہ اور اجتماعی ہیئت کے اغراض و مقاصد طے کئے جاتے ہیں ایسے ہی امت جس کے معنی ہی ہم مقصد لوگوں کی اجتماعیت ہے، کی بھی کوئی غرض و غایت ہے جس پر اکثر و بیشتر ہم نے غور کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ امت کی غرض تاسیس دو اصطلاحات سے سمجھی جا سکتی ہے ایک فلسفیانہ ہے اور دوسری عام فہم اور آسان۔ قرآن کی ایک اصطلاح ہے شہادت علی الناس یعنی قول و فعل و عمل سے گواہی دینا اور یہی انبیاء کرام کا مقصدِ بعثت بھی تھا تاکہ وہ حجت قائم کر دیں اور ختم نبوت کے نتیجے میں اب یہ ذمہ داری اُمّت محمدؐ پر آ گئی ہے جیسا کہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں نبی اکرمؐ نے فرمایا فلیبلغ الشاھد الغائب کہ جو موجود ہے وہ پہچائے انہیں جو حاضر نہیں ہیں۔ لہٰذا اب اُمّت اس کے لئے مسئول و جواب دہ (Accountable) ہے۔ شہادت علی الناس ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے لیکن قرآن تو عام و خواص دونوں طرح کے افراد کی رہنمائی کرتا ہے۔ دوسری آسان اصطلاح ہے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" نیکی کی تلقین کرنا اور برائیوں سے روکنا۔ بھلائی اور خیر خواہی کرنا اور ظلم و ستم سے بچانا۔ لیکن امت اپنا مقصد فراموش کر بیٹھی ہے۔ اس نے دیگر اقوام کی طرح خود بھی قوم کا روپ دھار لیا ہے جو بھاگ دوڑ غیر مسلموں کی ہے وہی اس اُمّت کی بھی۔ اجتماعی سطح پر جو مقاصد دوسروں کے ہیں وہی اس کے بھی ہیں۔ اُمّت میں ایک اُمّت کے پیدا ہونے کی ضرورت ہے جو خود بھی جاگیں دوسروں کو بھی جگائیں، اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔ آج دنیا میں ایک ارب سے زائد مسلمان ہیں لیکن خواب غفلت میں مدہوش ہیں۔ جو اس فرض کو ادا کریں گے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

بدقسمتی سے انتہائی نیک، متقی اور دین کی محنت کرنے والوں میں بھی یہ مغالطہ پیدا ہو گیا ہے کہ صرف نیکی کا پرچار کیا جائے بدی سے روکنے کی ضرورت نہیں ہے یعنی نیکی پھیلے گی تو برائی از خود ختم ہو جائے گی بعض اعتبارات سے یہ بات بڑی وزنی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی نیّت پر شبہ نہیں لیکن قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر دونوں کا ذکر کیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم و ملزوم ہیں۔ ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ایک تصویر کے دو رخ ہیں۔ نعوذ باللہ قرآن میں نہی عن المنکر کا حکم صرف شاعری تو نہیں ہے۔ صرف نیکی کی تلقین سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی جوابی کارروائی اور کشمکش تو برائیوں سے روکنے پر ہوگی۔

از روئے قرآن امر بالمعروف و نہی عن المنکر شانِ باری تعالیٰ ہے، تقاضائے فطرت و حکمت ہے، کار نبوت ہے، شان صحابہؓ ہے، امت کا فرض منصبی ہے، اصحابِ اقتدار کا فرض عین ہے، سرفروش اور جانباز اہل ایمان کے اوصاف کا ذروۂ سنام ہے اور اس کے برعکس نیکی سے روکنا اور بدی کی تلقین کرنا منافقین کا طرزِ عمل ہے۔ دراصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لاینفک (Inseperable) ہیں اور ان دونوں میں بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں اہم تر نہی عن المنکر ہے۔ بنی اسرائیل پر لعنت کی وجہ یہی بیان فرمائی گئی کہ وہ برائیوں سے نہیں روکتے تھے۔ آج ہمارے ہاں مذہبی معاملات پر تو مناظرے ہوتے ہیں لیکن منکرات کے خلاف خاموشی ہے۔ ہماری دینی جماعتیں اپنے اصل ہدف سے ہٹ گئی ہیں اور پاور پالی ٹیکس میں ملوّث ہو کر ادھر ادھر لڑھک رہی ہیں بلکہ سیاسی عناصر کے مقاصد کی تکمیل میں لگی ہوئی ہیں۔ اُن کی دوستیاں انہی کے ساتھ ہیں اس معاملہ میں شریعت کا کوئی پاس و لحاظ نہیں ہے بلکہ بس ایک دوسرے کی ٹانگ گھسیٹنے میں لگے ہوئے ہیں۔

برائی کے خلاف منظّم جد و جہد کی ضرورت ہے تاکہ طاقت کے ذریعے اس کا سر کچل دیا جائے۔ ایسے تربیت یافتہ افراد پر مشتمل تنظیم قائم ہو جن کی اپنی زندگی میں حرام و حلال کی پابندی ہو رہی ہو اور جو براہ راست تصادم مول لے سکتے ہوں۔ سُنّی مسلمانوں میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ اصحابِ اقتدار کے خلاف بغاوت نہیں ہو سکتی خواہ وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں جب تک وہ کفرِ بواح کا حکم نہ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ مکتب فکر کے تحت تو تحریکیں اٹھی ہیں لیکن پوری سنی دنیا سُن پڑی ہوئی ہے۔ روس کی حالت سامنے ہے جہاں آذربائی جان میں شیعہ افراد نے علم بغاوت بلند کیا لیکن سنی ریاستیں خاموش ہیں اور وہاں آزادی کی کوئی لہر نہیں اٹھی۔ دراصل یہ مغالطہ بعض وجوہات کی بنا پر سنی مسلمانوں میں پروان چڑھا جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ تاہم امام ابو حنیفہ ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فاسق و فاجر حکمران کے خلاف بغاوت ہو سکتی ہے بشرطیکہ طاقت اتنی ہو کہ کامیابی یقینی ہو جائے۔ بہر صورت ہماری نجات برائی سے روکتے رہنے میں ہے لوگ مانیں نہ مانیں ہمیں یہ فریضہ ادا کرتے رہنا ہے یہی عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

LEARN & TEACH QURAN